

قاتل دوست

کاشف زبیر

دوست سے دشمن بننے کا سفر طے کرنے میں دیر نہیں لگتی... اور کبھی عمر کی منزلیں تمام ہو جاتی ہیں... تین دوستوں کی کہانی... ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتا تھا... اپنے اس شوق اور ذریعۂ معاش کو وہ چاہتے ہوئے بھی خیرباد نہ کہہ سکے...

حسد... جلن اور عجلت پسندی میں کیے گئے فیصلوں کا دردناک انجام



قاتل دوست

کاشف زبیر

دوست سے دشمن بننے کا سفر طے کرنے میں دیر نہیں لگتی... اور کبھی عمر کی منزلیں تمام ہو جاتی ہیں... تین دوستوں کی کہانی... ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتا تھا... اپنے اس شوق اور ذریعۂ معاش کو وہ چاہتے ہوئے بھی خیر باد نہ کہہ سکے...

حسد... جلن اور عجلت پسندی میں کیے گئے فیصلوں کا دردناک انجام

''شبیر!'' میں نے بہت عرصے بعد جلال خان کی آواز سنی۔

''جلال خان۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''بہت دنوں بعد یاد کیا۔''

''تم فوراً آجاؤ میرے پاس، میرا ڈیفنس والا گھر دیکھا ہے نا؟'' اس نے میری بات نظر انداز کر کے کہا۔

''میں آسکتا ہوں لیکن مسئلہ...؟''

''افضال غائب ہے کل رات سے۔''

افضال، جلال کا اکلوتا بیٹا ہے اور اس کے غائب ہونے کا مطلب تھا کہ جلال زندگی کے سب سے پریشان کن حالات سے دوچار ہے۔ میں نے کہا۔ ”میں آرہا ہوں۔“

جلال، میں اور شعبان پرانے وقتوں کے ساتھی تھے۔ ہم ایک ساتھ پڑوسی ملک سے اس شہر میں وارد ہوئے تھے۔ جب ہمارے ملک میں جنگ چھڑی تو ہم تینوں کالج میں پڑھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نوجوان تھے اور اپنا کیریئر بنانے کی کوشش کررہے تھے۔ ذرائع کی کمی نہیں تھی بس اس شہر میں اپنی جگہ بنانی تھی اس لیے ہمیں بہت کوشش اور محنت کرنا پڑی۔ بالآخر ہم کامیاب رہے اور شہر کے ایک حصے پر ہم نے اپنی اجارہ داری قائم کرلی۔ جو کام پہلے ہم کرتے تھے اب وہ کام ہمارے لیے دوسرے کرنے لگے۔

مگر دس سال بعد حالات بدل گئے۔ میدان میں نئے نئے کھلاڑی آگئے اور وہ زیادہ حریص اور زیادہ سفاک تھے جیسے ایک زمانے میں ہم اپنے پچھلوں کے لیے زیادہ حریص اور زیادہ سفاک تھے اس لیے وہ ہمارا مقابلہ نہ کرسکے۔ اسی طرح جب دوسرے آئے تو ہمیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ بقا کے لیے لازمی تھا۔ اگر آدمی میدان سے نہ ہٹے تو مارا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے لائن بدل لی۔

لائن بدلی تو ہمارا گروپ ٹوٹ گیا۔ جلال خان بلڈر بن گیا۔ شعبان اور میں اسی لائن میں رہے لیکن ہم نے حیثیت بدل لی تھی۔ اب ہم باس نہیں رہے تھے مگر کسی کے ملازم بھی نہیں بنے، بلکہ دوسروں کے لیے ٹھیکے پر کام کرتے تھے، اس طرح ہم نے اپنی آزاد حیثیت بھی برقرار رکھی تھی۔ جلال فائدے میں رہا۔ چند سال پہلے اس نے سارے غلط دھندے چھوڑ دیے اور اب صاف ستھرے کام کررہا تھا، اسے ضرورت نہیں تھی کیونکہ دولت کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔ وہ بڑا آدمی بن گیا تھا، اس نے ہم سے تعلق توڑا تو نہیں لیکن محدود کرلیا تھا۔ آج میں نے شاید چار سال بعد اس کی آواز سنی تھی۔ میں نے راستے میں شعبان کو کال کی۔ ”جلال کی طرف جانا ہے، اس کا بیٹا افضال غائب ہے۔“

”اس نے بلایا ہے؟“

”ہاں اسی لیے جارہا ہوں۔“

”میں بھی آتا ہوں لیکن کچھ دیر لگے گی۔“ اس نے کہا تو عقب سے کسی عورت کی مدھم آواز آئی۔

”کون ہے، کہاں جارہے ہو؟“

میں نے کال کاٹ دی، میں سمجھ گیا کہ شعبان کو کیوں دیر لگے گی۔ میری طرح وہ بھی اکیلا تھا۔ ہم خاندان رکھنے والے لوگ نہیں تھے کیونکہ ہماری زندگی و موت کا کچھ پتا نہیں تھا۔ شعبان، جلال سے کچھ متنفر تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ جلال نے ہمیں استعمال کیا اور اپنی زندگی بنالی اور ہمیں ایسے ہی چھوڑ دیا۔ جبکہ میرا خیال تھا کہ جلال پر ہمارا کوئی قرض نہیں تھا کہ وہ ہمارے لیے کچھ کرتا۔ جب تک ہم ساتھ رہے ہمارا حساب برابر کا تھا۔ ہم سے الگ ہونے کے بعد اس نے جو کیا اور جو کمایا، اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں تھا۔ بہرحال شعبان اس کا دشمن نہیں ہوا تھا۔ بس یہ شکوہ تھا جو اس نے میرے سامنے کیا تھا۔ دیکھا جائے تو اس کا شکوہ غلط بھی نہیں تھا کیونکہ جلال اس پوزیشن میں تھا کہ چاہتا تو ہمیں اس دلدل سے نکال کر اوپر لے جاتا مگر اس نے شاید کسی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

ہم تینوں میں جلال سب سے تیز تھا۔ اس کا دماغ بھی تیز تھا اور غصہ بھی۔ پستول اس کی جیب میں اور اس کے ہاتھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں رہتا تھا اور وہ ٹریگر دبانے میں دیر نہیں کرتا تھا۔ اپنی ان ہی خصوصیات کی وجہ سے وہ آگے تھا اور ایک طرح سے ہمارا باس بن گیا تھا۔ پلاننگ میں ہم تینوں شامل ہوتے تھے مگر کسی بھی عمل میں انچارج وہ ہوتا تھا۔ اس کے خیال میں اس کی یہ حیثیت اب بھی برقرار تھی اس لیے اس نے مجھ سے پوچھا نہیں بلکہ صرف اپنا فیصلہ سنایا کہ مجھے اس کے پاس آنا ہے۔ میں پہلی بار اس کی عالی شان محل نما کوٹھی میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے میں نے اسے صرف باہر سے دیکھا تھا۔ جلال پورچ میں موجود تھا اور اس کے ساتھ ڈی ایس پی شمس ملک تھا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ اس سے آئے دن واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر آہستہ سے جلال سے کچھ کہا اور اس نے زیرِ لب جواب دیا۔ میں نے تاثرات سے شمس ملک کا سوال اور جلال کا جواب بھانپ لیا تھا۔

”جلال خان، افضال کیسے غائب ہوا؟“ میں نے سلام دعا کے بعد پوچھا۔

”تم نے میرا پرانا گھر دیکھا ہے؟“

جلال کا پرانا گھر اچھی طرح دیکھا ہوا تھا کیونکہ اس گھر میں بہت سا وقت ہم نے ساتھ گزارا تھا پھر جلال نے شادی کی تو وہاں سے ہمارا ڈیرا ختم ہوا گیا۔ ”افضال وہاں تھا؟“ میں نے پوچھا۔

جلال نے سر ہلایا اور پھر شمس ملک کی طرف دیکھا۔

”مجھے امید ہے پولیس جلد اس کا پتا چلالے گی؟“

”میری پوری کوشش ہوگی۔“ شمس ملک نے سنجیدگی

سے کہا اور اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔ اس کی گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی کہ شعبان اندر آیا۔ اس نے شمس کی طرف دیکھا اور ہمارے قریب چلا آیا۔ اس نے بلاتمہید کہا۔

''پولیس والوں سے توقع بیکار ہے۔''

جلال نے سر ہلایا۔ ''پھر بھی ان کو اطلاع کرنی پڑتی ہے۔ میں نے اسی لیے تم دونوں کو بلایا ہے۔''

جلال ہمیں ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آیا۔ یہاں چاروں طرف اس کی بنائی ہوئی عمارتوں اور اپارٹمنٹس کے ماڈلز سجے ہوئے تھے۔ دیواروں پر نقشے اور اسی قسم کی چیزیں تھیں۔ شاید یہ جگہ وہ آفس کے لیے استعمال کرتا تھا۔ جلال نے مقامی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس کی چار بیٹیاں تھیں اور ایک بیٹا افضال سترہ برس کا تھا اور کالج میں پڑھ رہا تھا۔ جلال خود اسکول کی حد تک تعلیم یافتہ تھا مگر اس نے اپنے بچوں کو پڑھایا تھا۔ دو بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی اور وہ گریجویٹ تھیں جبکہ دو غیر شادی شدہ بیٹیاں یونیورسٹیز میں پڑھ رہی تھیں، ایک ایم بی اے کر رہی تھی اور دوسری نے ایم بی بی ایس میں داخلہ لیا تھا۔ جلال، افضال سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ مشکل ترین حالات میں پُرسکون رہنے والا جلال اس وقت سخت مضطرب تھا۔ اس نے الماری سے وہسکی کی بوتل نکالی۔ میں نے اشارے سے منع کیا تو جلال نے حیرت سے کہا۔

''تم نے چھوڑ دی ہے؟''

''قدرت نے چھڑوا دی ہے، السر ہوگیا ہے۔''

جلال نے اپنے اور شعبان کے لیے گلاس بنائے اور ہم میز کے گرد رکھے چھوٹے صوفوں پر بیٹھ گئے تو شعبان نے پہل کی۔ ''وہ کہاں سے غائب ہوا ہے؟''

''غائب نہیں، وہ اغوا ہے۔'' جلال نے انکشاف کیا۔

''تمہارے پرانے گھر سے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں، مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ دوستوں کے ساتھ وہاں چلا جائے گا۔ کل میں ایک پارٹی میں تھا۔''

جلال نے بتایا کہ افضال اپنے دوستوں حامد اور سہیل کے ہمراہ وہاں گیا تھا۔ یہ مکان عام طور سے بند رہتا تھا اور جب جلال کو ضرورت ہوتی تب استعمال کرتا تھا مگر اس کی ضرورت شاذ ہی پیش آتی تھی۔ جلال کی اس سے پرانی یادیں وابستہ تھیں اس لیے اس نے یہ مکان فروخت نہیں کیا۔ افضال مغرب کے بعد گھر سے نکلا تھا۔ اس وقت بارش ہو رہی تھی۔ حامد اور سہیل پڑوسی تھے اور ان کی بچپن سے دوستی تھی۔ حامد اور سہیل کا بیان ہے کہ وہ بارش کو انجوائے کرنے لگے کیونکہ یہاں بہت کم بارش ہوتی ہے۔ اس شام بادل گھر کر آئے تھے اور موسلا دھار بارش ہوئی تھی۔ بارش انجوائے کرتے ہوئے وہ جلال کے پرانے گھر تک پہنچ گئے۔ گیٹ بند تھا مگر وہ اسے پھلانگ کر اندر گئے۔ افضال جانتا تھا کہ داخلی دروازے کی ایک چابی کہاں رکھی ہوتی ہے۔ اس نے وہاں سے چابی نکالی اور وہ اندر آگئے۔ مکان ڈیکوریٹ تھا اور وہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ حد یہ کہ فریج اور فریزر میں کھانے پینے کا سامان بھی تھا۔

انہوں نے کولڈ ڈرنکس کی بوتلیں نکالیں اور نشست گاہ میں بیٹھے تھے کہ اچانک چار نقاب پوش اندر آئے۔ افضال نے داخلی دروازہ بند نہیں کیا تھا اس لیے وہ آرام سے اندر گھس آئے۔ انہوں نے ان تینوں کو پکڑ لیا۔ حامد اور سہیل کو تشدد کا نشانہ بنایا اور انہیں بے بس کر کے وہ افضال کو لے گئے۔ ان کے مطابق آنے والوں نے ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ وہ سب تنومند اور طاقتور تھے اور وہ افضال کو لینے آئے تھے۔ دو افراد اسے پکڑ کر باہر لے گئے اور دو ان کے سروں پر موجود رہے۔ پھر وہ بھی باہر نکل گئے۔ جب تک حامد اور سہیل باہر آئے گاڑی اتنی دور جا چکی تھی کہ اس کی عقبی سرخ روشنیاں بھی مشکل سے نظر آ رہی تھیں۔ آنے والوں نے ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے اپنی انگلیوں کے نشانات بھی نہیں چھوڑے تھے۔

''انگلیوں کے نشانات۔'' شعبان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''اگر وہ اپنی تصویر بھی چھوڑ جاتے تب بھی ہماری پولیس انہیں نہیں پکڑ سکتی۔''

''بات پولیس کی نہیں ہے۔'' جلال نے سرد لہجے میں کہا۔ ''انہیں خوف میرا ہوگا۔''

''باس!'' شعبان کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔ ''تم کسی زمانے میں کچھ تھے لیکن اب صرف ایک بزنس مین ہو۔''

جلال کا چہرہ بگڑ گیا، اس نے غرا کر کہا۔ ''میں جلال ہوں، تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو۔''

شعبان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب تم صرف ایک شوہر اور باپ ہو۔ تم جلال ہوتے تو ہمیں نہ بلاتے۔''

''شعبان...!'' میں نے اسے ٹوکا۔ ''جلال ہمارا دوست ہے۔''

''اگر دوست ہے تو دوست بن کر بات کرے۔'' شعبان نے بگڑے لہجے میں کہا۔ ''یہ خود کو اب بھی ہمارا باس سمجھ رہا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' جلال کا لہجہ مدھم ہوگیا۔

''کوئی وجہ تو ہو گی تب ہی ان لوگوں نے اپنی شناخت پوشیدہ رکھی۔'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''کیا کسی نے تم سے رابطہ کیا؟''

''نہیں۔''

''ہوسکتا ہے وہ رابطہ کریں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے اسے تاوان کے لیے اغوا کیا گیا ہے؟'' شعبان نے پوچھا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' جلال نے سر ہلایا۔

''اور اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو؟''

میں اور جلال چونک گئے۔ ''کیا مطلب؟'' جلال نے کہا۔

''ہمارے بہت سے پرانے کھاتے بھی ہیں۔'' شعبان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''تمہارا مطلب ہے کسی نے دشمنی نکالنے کی کوشش کی ہے؟''

''ایسا بالکل ہوسکتا ہے۔'' شعبان نے سر ہلایا۔ ''جلال نے ماضی چھوڑ دیا ہے لیکن بعض اوقات ماضی، انسان کو نہیں چھوڑتا۔''

''یہ تو ہے۔'' میں نے سر ہلایا اور جلال کی طرف دیکھا۔ ''تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

یک دم جلال تھکا ہوا اور مایوس نظر آنے لگا۔ اس نے کہا۔ ''بہت عرصے بعد میں مشکل میں پڑا تو مجھے تم دونوں کی یاد آئی۔ ابھی صورتِ حال واضح نہیں ہے اس لیے میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے تمہاری کس قسم کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔''

''دوست ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کیا خیال ہے چل کر مکان نہ دیکھ لیا جائے۔''

''ابھی وہاں پولیس ہے وہ نشانات دیکھ رہی ہے۔''

''کیسے نشانات۔'' شعبان نے کہا۔ ''اگر کوئی نشان ہوگا بھی تو بارش نے اسے صاف کر دیا ہوگا۔''

''دیکھ لینے میں حرج نہیں ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔

''ہم پولیس کے کام میں حارج نہیں ہوں گے۔''

اپنی اپنی وجوہات کی بنا پر شعبان اور جلال دونوں اس کے لیے تیار نہیں تھے مگر میرے اصرار پر مان گئے۔ ہم جلال کی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ یہ جدید ماڈل کی بلٹ پروف گاڑی تھی جو مقامی طور پر بہت کم نظر آتی ہے۔ جلال کا سابق گھر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ یہ بلاک شروع سے بہت غیر آباد تھا۔ اب کچھ آبادی ہو گئی تھی مگر اس گھر کے آس پاس کچھ نہیں تھا۔ سب سے نزدیکی گھر بھی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ لڑکے یہاں کیوں آئے تھے۔ جلال کی موجودہ کوٹھی سے یہ جگہ ایک کلومیٹر دور تھی۔ صرف شغل میلے کے طور پر اتنی دور آنا سمجھ میں نہیں آرہا تھا جبکہ اس مکان میں ایسا کچھ نہیں تھا جو ان لڑکوں کی دلچسپی کا باعث ہوتا۔ وہاں ایک پولیس موبائل کھڑی تھی۔ جلال نیچے اترا تو ایک ایس آئی دوڑا آیا اور اس نے جلال کو تقریباً سلیوٹ کیا۔

''تم لوگوں نے کام مکمل کر لیا؟''

''جی لیب والے کر رہے ہیں۔''

میں مسکرا دیا۔ مجھے لیب والوں کی کارکردگی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ ہم اندر آئے جہاں جلال کو دیکھتے ہی نام نہاد مستعدی کا مظاہرہ کیا جانے لگا۔ جلال بھی یہ بات سمجھتا تھا اس لیے اس نے پولیس والوں کو وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا اور وہ اس کے حکم پر سچ مچ چلے بھی گئے۔ ان لوگوں نے نشانات تو کیا اٹھانے تھے خود وہاں خاصے نشانات چھوڑ گئے۔ میں نے مکان کا معائنہ کیا۔ اس کے سامنے والے حصے میں ایک بڑا ڈرائنگ روم تھا۔ اسے لاؤنج بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے دروازے کے سامنے ہی شیشے کا ایک بڑا سا ریک تھا اور اس کی ٹوٹی کرچیاں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ اسی طرح شیشے کی سینٹرل ٹیبل بھی ٹوٹ گئی تھی۔ ایک طرف راکنگ چیئر الٹی پڑی تھی۔ کچھ شوپیس بھی اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ مجموعی طور پر جرم کا منظر واضح تھا۔

برآمدے کی سیڑھیوں پر اور آگے جوتوں کے چند نشانات تھے کیونکہ جس وقت نقاب پوش اندر گھسے تو بارش ہو رہی تھی اور اس سے جوتوں کے نشانات بن گئے تھے۔ ان کی تصاویر لے لی گئی تھیں اس لیے اب ان پر آرام سے چل پھر رہے تھے۔ ہماری آمد سے پہلے لیب والے یہ کام کر چکے تھے۔ ابھی میں اندر جانے کا سوچ رہا تھا کہ ایس آئی باہر سے آیا، اس کی صورت دیکھ کر میں کھٹک گیا۔ اس نے اپنا موبائل جلال کی طرف بڑھایا۔

''ڈی ایس پی صاحب ہیں۔''

جلال بھی چونکا، اس نے فون لیا۔ ''ہیلو... ہاں ملک... کیا ہوا...؟ کیا... کہاں ہے وہ...؟'' جلال کہتے ہوئے چلّایا۔ ''مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو؟... اچھا اچھا میں آرہا ہے۔''

جلال نے موبائل ایس آئی کو واپس کیا اور بولا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''میرے ساتھ آیئے۔'' اس نے کہا۔ جلال نے

اپنی گاڑی پولیس موبائل کے پیچھے لگا دی تھی۔ میں نے جلال کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے پوری قوت سے اسٹیرنگ پُرمکا مارا۔ شمس ملک نے واضح نہیں کیا تھا لیکن اس نے جس طرح جلال کو بلایا تھا اس نے صورتِ حال کو واضح کر دیا تھا تاہم چند منٹ بعد ایک نالے کے پاس رکے جس میں ابھی تک بارش کا پانی بہہ رہا تھا اور ایک ایمبولینس سروس کے رضا کار ایک لاش پر چادر ڈھک رہے تھے، اسے نالے سے نکالا تھا۔ جلال نیچے اترا تو شمس ملک خود آگے آیا۔ اس نے جلال کو روکا مگر وہ اسے دھکا دے کر لاش کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اس پر سے چادر اٹھائی اور پھر دہاڑ مار کر اس سے لپٹ گیا۔

☆☆☆

میں جلال کے ساتھ تھا اور وہ مسلسل پی رہا تھا۔ اسے روکنا بے کار تھا، وہ کسی کی نہیں سنتا کیونکہ اس کا نقصان بہت بڑا اور ناقابلِ تلافی تھا۔ آج افضال کا سوم تھا۔ میں کل تک اس کے ساتھ تھا پھر رات میں گھر چلا گیا۔ صبح اس نے پھر بلا لیا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ’’اگر تم نے مجھے اس لیے بلایا ہے کہ میرے سامنے بیٹھ کر پیتے رہو تو میرا رکنا بے کار ہے۔‘‘

’’تب میں کیا کروں؟‘‘ اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

’’میں جانتا ہوں، تمہارا دکھ بہت بڑا ہے لیکن اس طرح ہوش سے بے گانہ ہو جانا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ تمہیں بھابی اور بچیوں کو بھی دیکھنا ہے۔‘‘

’’میں کیا کروں؟‘‘ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

’’میرے اندر آگ جل رہی ہے۔‘‘

’’اسے استعمال کرو، ان لوگوں کا پتا چلاؤ جنہوں نے یہ کام کیا ہے۔‘‘

افضال کی لاش پانی میں ڈوبی رہی تھی اس لیے کسی قدر پھول گئی تھی مگر اس کے جسم پر تشدد کا کوئی نشان نہیں تھا صرف ایک گولی کا نشان تھا جو اس کے ماتھے پر لگی تھی اور وہ جان لیوا ثابت ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کے مطابق اس کی موت کا وقت تقریباً وہی تھا جو اس کے اغوا کا وقت تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اسے اغوا کرنے والے اسے اس نالے تک لائے جو جائے وقوع سے صرف آٹھ سو گز کی دوری پر تھا۔ انہوں نے وہاں افضال کو شوٹ کیا اور لاش پھینک کر چلے گئے۔ بارش نے نالے کے آس پاس تمام نشان مٹا دیے تھے۔ لاش ایک سینٹری ورکر نے دیکھی جس کے ذمے نالے کی نگرانی تھی۔ اس نے پولیس کو اطلاع دی۔ میری بات پر جلال نے گلاس اتنی سختی سے بھینچا کہ وہ ٹوٹ گیا اور اس کی کرچیاں جلال کے ہاتھ کو زخمی کر گئیں۔ میں نے رومال نکال کر اس کے ہاتھ پر باندھا۔ اسے شاید زخم کا احساس بھی نہیں تھا اس نے میری طرف دیکھا۔

’’انہیں کیسے تلاش کروں، انہوں نے اپنا کوئی نام و نشان ہی نہیں چھوڑا۔‘‘

’’پولیس کا کیا کہنا ہے؟‘‘

’’صفر۔‘‘ اس نے تلخی سے کہا۔ ’’وہ کچھ پتا نہیں چلا سکی۔‘‘

’’جلال، یہ قتل میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر کسی نے تم سے انتقام لیا ہے تب بھی یہ اندھا انتقام سمجھ میں نہیں آیا۔‘‘ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ’’تمہارا کیا خیال ہے تمہارا ایسا کوئی دشمن ہے؟‘‘

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ’’پہلے بہت دشمنیاں تھیں، تم بھی جانتے ہو لیکن وقت کے ساتھ ساتھ سب ختم ہو گئیں۔ لوگ مر گئے، یہاں سے چلے گئے یا بات ختم ہو گئی۔ ایسا کوئی شخص میرے ذہن میں نہیں آ رہا جو اتنے عرصے بعد اس حد تک جائے۔‘‘

’’یہ تمہارا خیال ہے، تم دوسروں کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہو؟‘‘ میں نے کہا تو وہ چونک گیا۔

’’ہاں، میں دوسروں کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟‘‘

’’تب قاتلوں کو تلاش کرنے کی سوچو۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’اسٹائل سے لگ رہا ہے کہ یہ پیشہ ور لوگ تھے اور ان کا گینگ ہے۔ اس شہر میں پیشہ ور قاتلوں کے کتنے ایسے گینگ ہوں گے جو اتنے منظم انداز میں کام کریں۔‘‘

’’شاید چند ایک۔‘‘ جلال نے سوچتے ہوئے کہا۔

’’جو سیاسی تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس طرح خود کو چھپا کر کام نہیں کرتے ہیں وہ کھلے عام سب کر جاتے ہیں اور تم جانتے ہو میرا کسی سیاسی تنظیم سے نہ تعلق رہا ہے اور نہ تنازعہ۔‘‘

’’تب یہ تمہارے کسی مخالف کا کام ہے اور وہ کوئی بھی ہو سکتا۔‘‘

’’اگر ایسا ہے تو میں اس تک کیسے پہنچوں؟‘‘

’’قاتلوں کے ذریعے۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’تمہارے انڈر ورلڈ سے تعلقات تو ہیں...‘‘

’’یہ پرانی بات ہے۔‘‘ جلال نے بات کاٹ کر کہا۔

’’اب میری وہاں خاص جان پہچان نہیں ہے، یہ کام تم دونوں کر سکتے ہو۔‘‘

''ہم دونوں...'' میں نے انکار کرنا چاہا۔

''ایک منٹ... کوئی جواب مت دو، میں کل تمہارے پاس آؤں گا۔'' جلال نے سوچ کر کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی بات آگئی ہے۔

اگلے دن جلال میرے اور شعبان کے سامنے تھا۔ وہ میرے گھر آیا تھا اور میں نے شعبان کو بھی بلالیا تھا، وہ راضی نہیں تھا لیکن میں نے کہا کہ وہ ایک بار جلال کی بات سن لے اس کے بعد چاہے تو انکار کردے۔ ماضی کے تعلق کی بنیاد پر ہم اتنا تو کرسکتے تھے۔ شعبان مان گیا اور میرے پاس آگیا۔ میرے گھر کام کرنے والی ثمینہ موجود تھی مگر جلال کے آنے کے بعد میں نے اسے چھٹی دے دی۔ جلال کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا رہا پھر اس نے اپنے کوٹ سے ایک بڑے سائز کا لفافہ نکال کر ہمارے سامنے رکھا۔ ''یہ بیس لاکھ روپے ہیں۔ اتنے ہی میں اس وقت دوں گا جب تم قاتلوں کو تلاش کرلو گے۔''

بیس لاکھ خاصی رقم تھی مگر ہم نے کوئی ردِعمل نہیں دیا۔ اس کے بجائے شعبان نے پوچھا۔ ''اگر ہم ناکام رہے؟''

''تو کچھ نہیں، بات ختم ہوجائے گی۔'' جلال نے دونوں ہاتھ میز پر پھیلائے۔ ''یہ تمہارے وقت اور محنت کی قیمت ہے، اگلے بیس لاکھ کامیابی کا انعام ہوگا۔''

مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ ہم نے آپس میں کسی کام کا معاوضہ دوسرے کو دیا ہو۔ ہم مل کر کام کرتے تھے اور کما کر آپس میں تقسیم کرلیتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جلال ہمیں آفر کررہا تھا۔ میں جھجک رہا تھا اور شعبان کچھ اور سوچ رہا تھا، اس نے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، یہ رقم مناسب ہے۔''

''مجھے تم سے اسی سوال کی توقع تھی۔''

''کیونکہ میں بے وقوف نہیں ہوں۔'' شعبان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے بیس لاکھ کا چارا دیکھ کر ہم فوراً منہ ماریں گے؟ نہیں جلال خان ہمارے پاس عقل ہے اور میری عقل کہہ رہی ہے کہ معاملہ بہت بڑا ہے اور خطرہ بھی بہت بڑا ہے۔ جو لوگ تمہارے اکلوتے بیٹے کو قتل کرسکتے ہیں ان کے لیے دو افراد کو مزید دنیا سے رخصت کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

میں جو پہلے دخل دینے والا تھا شعبان کی اس بات پر خاموش ہوگیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ جلال ارب نہیں کھرب پتی تھا۔ ڈیفنس میں اس کی کوٹھی کی مالیت ہی ایک ارب روپے سے زیادہ تھی۔ اس کے ظاہری اثاثوں کے مقابلے میں اس کے پوشیدہ اثاثے بہت زیادہ تھے۔ ٹھیک ہے بیس لاکھ روپے ہمارے لیے بڑی رقم تھی مگر اس کے لیے یہ رقم زیادہ نہیں تھی۔ جلال نے میری طرف سے مایوس ہوکر شعبان سے کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

شعبان نے لفافہ واپس اس کی طرف سرکا دیا۔ ''ایک بات تو یہ ہے کہ ہم دوست ہونے کے ناتے تمہاری مدد کریں گے۔ اس کے بدلے تم سے ایک روپیہ بھی نہیں چاہیے۔ دوسرے ہمارے اپنے دھندے بھی ہیں اور ہم ان کو بھی وقت دینے پر مجبور ہیں۔''

''مجھے دوسرا طریقہ منظور ہے۔'' جلال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اپنی ڈیمانڈ بتاؤ۔''

''ایک کروڑ روپے کام کے اور کامیابی کی صورت میں ہم دونوں کو ایک ایک کروڑ روپے بونس ملے گا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' جلال نے کہا۔

☆☆☆

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' میں نے اگلے دن شعبان سے کہا، میں اس کے گھر آیا تھا۔ ''جلال ہمارا دوست ہے۔''

''یہ خیال اسے نہیں آیا کہ وہ ہمارا دوست ہے؟'' شعبان نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''تم نے دیکھا اس نے دوستی کو ایک طرف رکھا اور فوراً باس بننے کو تیار ہوگیا۔ اب ہم اس کے لیے کام کرنے کے پابند ہیں۔ ہم نے اپنے وقت کی اصل ...قیمت وصول کرلی ہے۔''

شعبان ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ ''ہم نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ قاتل اندھیرے میں ہیں، ان تک پہنچنے کے لیے ہمیں اندھیرے میں ہاتھ مارنے پڑیں گے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا ہاتھ کس پر پڑے گا۔''

شعبان میری بات سمجھ گیا۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی مگر پھر اس نے سر جھٹکا۔ ''ہمارا کام ہی خطرہ مول لینا ہے۔''

''لیکن اندھا خطرہ ہم نے کبھی مول نہیں لیا۔''

''اب تو لے لیا ہے، یہ بتاؤ آغاز کیسے کرنا ہوگا؟''

''ہماری نظر میں جتنے بھی درمیان کے آدمی ہیں، ان سب کو چیک کرنا ہوگا۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔''

''کام کا آغاز ابھی کرنا ہے۔'' میں نے کہا اور آدھے گھنٹے بعد ہم پرانے شہر کی گنجان آبادی میں ایک سال خوردہ عمارت کے نیچے موجود تھے۔ ہمیں اس کے چوتھے فلور تک جانا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر ہم اوپر آگئے۔ مطلوبہ

دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک مخموری سی آواز آئی۔
''بھاگ جاؤ، ابھی میں کسی سے نہیں مل سکتا۔''
شعبان نے میری طرف دیکھا اور پیچھے ہٹ کر دروازے پر ایک بھرپور لات ماری۔ دروازہ کھل گیا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ دوسرے کمرے میں مریل اور طویل قامت چاچڑ پڑا ہوا تھا۔ یہ اس کی ذات نہیں نام تھا۔ چاچڑ ویسے تو منشیات فروش اور منشیات کا عادی تھا مگر وہ درمیان کے آدمی کا کردار بھی ادا کرتا تھا اور دو پارٹیوں کے درمیان بات یا سودا کراتا تھا۔ وہ شہر کی جرائم پیشہ سوسائٹی کے بارے میں چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے کوئی اثر نہیں لیا مگر جب شعبان نے اس کے ٹخنے پر اپنا بھاری جوتا رکھا تو وہ بلبلا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے ہمیں دیکھا اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔
''تم...؟''
''ہاں... ہم... نے پہچان لیا ہے۔'' میں نے اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ کر کہا۔ ''یہ بھی جان گئے ہو گے کہ ہم کیوں آئے ہیں؟''
شعبان دروازہ بند کر آیا تھا اگرچہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہاں کوئی چھینک بھی مارتا تو اوپر سے نیچے تک سب کو اطلاع مل جاتی تھی۔ چاچڑ نے فوراً انکار کیا۔
''ماں قسم نہیں جانتا۔''
شعبان نے دوبارہ اس کے ٹخنے پر جوتا رکھا تو وہ چیخنے دہاڑنے لگا۔ میں نے اس کی چیخ و پکار کی پروا کیے بغیر اس کے کمرے سے ایک رسی تلاش کی۔ اس کا ایک سرا پانی کے وزنی کولر سے باندھا اور دوسرا پھندا بنا کر چاچڑ کے گلے میں ڈالا اور اسے گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس لے آیا۔ کولر کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھ کر میں نے اس سے پوچھا۔ ''جلال خان کے بیٹے افضال کے قتل میں کون لوگ ملوث ہیں؟''
''میں نہیں جانتا۔'' اس نے دہشت سے کہا۔ میں نے کولر کو ذرا سا ہاتھ مارا تو اس نے چیخ ماری۔ ''ماں قسم نہیں جانتا۔''
میں نے اس بار ہاتھ مارا تو کولر باہر گر گیا اور رسی کا پھندا چاچڑ کی گردن میں تنگ ہونے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ سے رسی تھام لی تھی مگر اسے تنگ ہونے سے روکنا مشکل تھا۔ اس کا سانس رک رہا تھا اور وہ پاؤں رگڑ رہا تھا۔ میں نے پستول نکال لیا۔ ''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں۔''
چاچڑ کی آنکھیں حلقوں سے ابل آئی تھیں اور اس کا بڑا سا منہ غیر معمولی طور پر کھلا ہوا تھا مگر اس کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔ وہ بس چند لمحوں کا مہمان لگ رہا تھا۔ میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''یہ نہیں بتائے گا۔''
''تو بات ختم کرو ہم کسی اور سے پوچھ لیں گے۔''
میں نے چاچڑ کے سر کی طرف پستول کر کے ایک گولی چلائی اور پھر ہم دونوں باہر کی طرف بڑھے۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے پلٹ کر چاچڑ کی طرف دیکھا جو رسی کٹ جانے سے سانس بحال ہونے پر دیوانہ وار سانس لے رہا تھا۔ میں نے اسے خبردار کیا۔ ''اگر ہمارے بارے میں ایک لفظ بھی نکالا تو اگلی بار تم اس کھڑکی سے باہر جاؤ گے۔''
ہم نیچے آئے تو شعبان نے مایوسی سے کہا۔ ''یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔''
''میں نے کہا نا ہم اندھیرے میں ہاتھ ماریں گے۔''
شعبان چلا گیا تھا اور میں نے بھی گھر کا رخ کیا۔ ثمینہ صفائی کر کے واشنگ مشین لگائے کپڑے دھو رہی تھی۔ وہ تقریباً بتیس سال کی سرخی مائل سفید رنگت اور دلکش نقوش والی عورت تھی۔ جسم نازک تھا مگر محنت انتھک کرتی تھی۔ مجھ جیسے اکیلے آدمی کے گھر کام کرنے پر اسے بہت کچھ سننے کو ملا مگر اس نے کبھی پروا نہیں کی تھی۔ مجھ سے کہنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ وہ صبح سویرے آتی اور سب سے پہلے میرے لیے ناشتا بناتی تھی۔ جب میں ناشتا کرتا تو وہ گھر کی صفائی کرتی۔ ہفتے میں ایک بار واشنگ مشین لگا کر کپڑے دھو دیتی تھی۔ جانے سے پہلے وہ دوپہر کا کھانا بنا کر جاتی تھی۔ ہانڈی اتنی ہوتی کہ رات تک چل جاتی تھی اگر مجھے کہیں باہر جانا ہوتا تو میں اسے منع کر دیتا تھا۔ وہ بیوہ تھی، دو سال پہلے اس کا شوہر ہنگاموں میں اندھی گولی کا نشانہ بن گیا، وہ دہی بڑے کا ٹھیلا لگاتا تھا۔ اس کے مرنے پر ثمینہ بے سہارا ہوئی تو اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ بھرنے کے لیے اسے باہر نکلنا پڑا۔
ایک بار میں نے گلی کے چند لفنگوں کو سبق دیا جو اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ تب وہ میرا شکریہ ادا کرنے آئی اور جب اسے پتا چلا کہ میں اکیلا رہتا ہوں اور اپنا سب کام خود کرتا ہوں تو اس نے اصرار کر کے میرے گھر میں کام شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ بہت سی باتوں میں دخیل ہو گئی تھی اور اسے میرے ماضی کے بارے میں بہت کچھ پتا چل گیا تھا۔ ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود میں مرد تھا اور میں نے جلد محسوس کر لیا کہ ثمینہ کیوں دوسروں کی باتیں سن کر بھی میرے ہاں کام کر رہی تھی مگر میرے پاس اس کے خاموش سوال کا جواب نہیں تھا۔ میں واپس آیا تو اس نے کہا۔ ''یہ وہی جلال

ہے نا جس کے ساتھ تو کام کرتا تھا؟''
''ہاں یہ وہی ہے۔''
''مجھے یہ شخص اچھا نہیں لگا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''یہ بہت خود غرض ہے۔''
وہ جلال کے بارے میں ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ''ہاں مگر وہ میرا دوست ہے۔''
''تو اس کے لیے کام کر رہا ہے؟''
''اس کے بیٹے کو کسی نے اغوا کر کے مار دیا ہے، وہ چاہتا ہے میں اس کے قاتلوں کو تلاش کروں۔''
''یہ تو خطرناک کام ہے۔'' وہ بے چین ہوگئی۔
''ہاں پر میں خطرناک کام ہی کرتا ہوں تو جانتی ہے۔''
''اس کے بیٹے کے ساتھ کیا ہوا؟'' ثمینہ نے پوچھا۔
میں نے اسے مختصراً بتایا کہ افضال کے ساتھ کیا ہوا۔ اس نے پھر پوچھا۔ ''پولیس کیا کہتی ہے؟''
''اس نے کیا کہنا ہے۔''
''ایسا نہ کہہ، ہماری پولیس کیسی سہی پر وہ مجرم کو جانتی ضرور ہے، بھلے اسے نہ پکڑے یا پکڑے تو وہ عدالت سے چھوٹ جائے۔''
ثمینہ کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے جلال سے پولیس رپورٹ کے بارے میں پوچھا نہیں تھا۔ لنچ کے بعد میں نے اسے کال کی۔ ''مجھے پولیس رپورٹ چاہیے، مکمل رپورٹ، اس میں لیب کی رپورٹ بھی شامل ہونی چاہیے۔''
''تین گھنٹے بعد آکر دیکھ لینا۔'' اس نے کہا۔ دو گھنٹے بعد میں گھر سے نکل گیا۔ جلال میرا منتظر تھا اور کسی قدر ہوش میں تھا۔ ''تم لوگوں نے کچھ کیا؟''
''ہاں ایک آدمی کو پکڑا مگر وہ بے خبر نکلا۔ سمجھ لو اندھیرے میں بٹیر پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''
جلال نے فوٹو کاپیز پر مشتمل ایک فائل میرے حوالے کی۔ اس میں ایف آئی آر سے لے کر وقوعے کی منظر کشی اور پوسٹ مارٹم سے لے کر لیب کی رپورٹس شامل تھیں۔ لیب رپورٹ کے مطابق افضال کو نائن ایم ایم کی پستول سے شوٹ کیا گیا تھا مگر طریقہ میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ اغوا اور اس کے فوراً بعد قتل سے ظاہر تھا کہ قاتل اسی نیت سے آئے تھے۔ کام بہت صفائی سے ہوا تھا اور انہوں نے پیشانی پر صرف ایک گولی مار کر قتل کو یقینی بنا لیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کام بہت ٹھنڈے دل سے ہوا ہے اور

اس کے پس پشت انتقامی جذبہ نہیں تھا ورنہ افضال کی تشدد زدہ لاش ملتی۔ جلال نے مجھے مخاطب کیا تو میں چونکا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''کیا یہ ٹارگٹ کلرز کا کام ہے؟''
''نوے فیصد لگ رہا ہے مگر ایک چیز سمجھ نہیں آرہی ہے، انہوں نے قتل ہی کرنا تھا تو افضال کو لے کیوں گئے۔ ٹارگٹ کلرز کبھی یہ زحمت نہیں کرتے۔ اگر اغوا مقصد تھا تو لے جا کر اس طرح شوٹ کر دینا سمجھ سے بالاتر ہے؟''
جلال کے چہرے پر پریشانی نظر آنے لگی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ دو باتیں آپس میں میچ نہیں کر رہی ہیں۔''
''یہ شہر کا محفوظ ترین علاقہ ہے یہاں نہ صرف نجی سیکیورٹی بہت زیادہ ہے بلکہ پولیس بھی مستعد ہوتی ہے۔ ایسے میں کسی کو اغوا کرنا بہت مشکل کام ہے۔''
''تم بھول رہے ہو، کچھ عرصے پہلے ایک مافیا لیڈر کو یہیں سے عین محفل سے اٹھا کر کھلے عام لے جایا گیا تھا۔''
''وہ الگ بات ہے، اس میں سب ملے ہوئے تھے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ دوسرا معاملہ ہے۔ مجھے لگ رہا ہے بہ ظاہر سب اس طرح نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہمیں نظر آرہا ہے۔''
''پھر کیسے ہوا ہے؟'' جلال نے کہا۔
''یہی پتا چلانا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور پھر ہچکچا کر پوچھا۔ ''اگر تم قاتلوں کا پتا چلا لو گے تو تم کیا کرو گے؟''
جلال کے چہرے پر پرانا جلال نظر آیا تھا، اس نے بہت سفاک لہجے میں کہا۔ ''میں انہیں اپنے ہاتھ سے ماروں گا۔''
''چاہے وہ کوئی بھی ہو۔''
میری اس بات پر جلال نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''کوئی بھی ہو سے کیا مراد ہے؟''
''اگر وہ تمہارا کوئی قریبی فرد نکل آیا۔''
''وہ کوئی بھی ہو، میں اسے بخشوں گا نہیں۔''
میں نے فائل اٹھائی۔ ''یہ میں ساتھ لے جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے اس سے کوئی نشان مل جائے جو قاتلوں تک رہنمائی کرے۔''
''ٹھیک ہے لے جاؤ۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔
میں کھڑا ہوا۔ ''پھر ملیں گے۔''
''ایک منٹ۔'' جلال نے اشارہ کیا۔ ''یہ بتاؤ شعبان میرے بارے میں کیا خیال رکھتا ہے۔''
میں چونکا۔ ''یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''
''میں نے محسوس کیا ہے، وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''جب تم نے لائن تبدیل کی اور ہم سے تعلق ختم کرلیا تو اس نے اس بات کو بہت محسوس کیا تھا۔''

''کیا وہ میرے خلاف کچھ زیادہ ہی سوچتا رہا ہے؟'' جلال کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔

''نہیں، ایسے ہی جب ذکر ہوتا تو وہ شکوہ کردیتا تھا، اس نے خود سے کبھی تمہارے خلاف کچھ نہیں کہا۔''

''شبیر!'' جلال کا لہجہ سرد ہوگیا۔ ''کہیں تم اس کی وکالت کرنے کی کوشش تو نہیں کررہے؟''

''نہیں دوست جو حقیقت ہے وہ بیان کررہا ہوں۔'' میرا لہجہ بھی سرد ہوگیا۔ ''تم ہمیں جانتے ہو۔ بلاوجہ کوئی گمان پالنے کی کوشش مت کرو۔''

جلال چپ ہوگیا مگر اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے متفق نہیں تھا۔ میں اس کے عالی شان بنگلے سے نکل آیا۔ اس کے اور ہمارے اسٹیٹس میں بہت فرق آگیا تھا۔ یہی فرق دوستی میں بھی آیا تھا۔ البتہ جلال کی فطرت نہیں بدلی تھی، وہ اسی طرح جلد بدظن ہوجانے والا شخص تھا۔

میں نے گھر آنے کے بعد شعبان کو کال کی۔ میں نے اسے جلال سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ شعبان غصے میں آگیا۔ ''وہ کیا سمجھتا ہے رقم دے کر ہمیں خرید لیا ہے، میں یہ رقم اس کے منہ پر ماروں گا۔''

''غصے میں مت آؤ دوست۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ مت بھولو کہ جلال اور ہم میں بہت فرق آگیا ہے، وہ بہت دولت مند ہے اور آج کے دور میں دولت ہی طاقت ہے۔''

''تب وہ دولت سے اپنے بیٹے کے قاتل کا پتا کیوں نہیں چلا لیتا؟''

''وہ یہی کررہا ہے اور میں نے تمہیں اس لیے کال کی ہے کہ تم محتاط رہو۔ اس کا شبہ بڑھانے سے گریز کرو۔''

شعبان چپ ہوگیا پھر اس نے کہا۔ ''او کے، میں خیال رکھوں گا۔''

میں نے فائل کھولی اور اسے لے کر کچن میں آگیا۔ اپنے لیے چائے تیار کی اور اس دوران میں لڑکوں کے بیانات پڑھتا رہا۔ ان کے بیانات تقریباً ایک جیسے تھے کیونکہ سب کچھ بہت تیزی سے اور ان کے سامنے ہوا تھا۔ ان کے مطابق یہ سب مشکل سے تین چار منٹ میں ہوگیا تھا۔ میں نے ان کے بیانات کئی بار پڑھے۔ میں نے جلال کو کال کی۔ ''مجھے حامد اور سہیل سے بات کرنی ہے۔''

''میں بلا لیتا ہوں۔''

''نہیں، میں ان سے الگ الگ باہر بات کرنا چاہتا ہوں۔''

جلال نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''او کے، میں بندوبست کرتا ہوں لیکن وہ پولیس کو بیان دے چکے ہیں اور وہ اس فائل میں شامل ہے۔''

''میں نے دیکھ لیا ہے، میں مزید پوچھنا چاہتا ہوں ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات سامنے آجائے۔''

''ٹھیک ہے، میں کچھ دیر میں بتاؤں گا۔'' اس نے کہا اور پھر ایک گھنٹے بعد کال کی۔ ''وہ کل تم سے یونیورسٹی میں مل سکتے ہیں۔''

میں اگلے دن یونیورسٹی پہنچا۔ گیٹ پر گارڈز نے روکا تو میں نے جھوٹ بولا کہ میں اپنے بیٹے کی وجہ سے آیا ہوں۔ اس نے کسی ٹیچر سے بدتمیزی کی تھی۔ اپنی صورت اور حلیہ میں نے شریفوں والا ہی رکھا تھا اس لیے گارڈز نے مجھے اندر جانے دیا۔ پولیس رپورٹ میں دونوں کی تصاویر شامل تھیں کیونکہ وہ زخمی ہوئے تھے اور ان کی تصویریں لی گئی تھیں۔ حامد کے بارے میں معلوم کیا تو وہ بائیولوجی ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ وہ کلاس میں تھا اور میں باہر اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ باہر نکلا تو میں نے اسے روک لیا۔ ''حامد، جلال نے تمہیں میرے بارے میں بتایا ہوگا، میں شبیر ہوں۔''

اس کا رنگ ایک لمحے کو اڑا۔ ''جی کیا پوچھنا ہے آپ نے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں اسے باہر لان میں ایسی جگہ لے آیا جہاں ہماری بات سننے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر جما کر کہا۔ ''میں تم سے صرف چند سوالات کروں گا اور مجھے امید ہے تم ٹھیک ٹھیک جواب دو گے۔''

''جی۔''

''تم لوگ جب باہر نکلے تو کیا پہلے سے افضال کے پرانے گھر جانے کا ارادہ تھا؟''

''نہیں ہم بارش انجوائے کررہے تھے، جب اس کے گھر کے پاس پہنچے تو افضال نے ہم سے اندر چلنے کو کہا۔ اس نے کہا تھا ہم اندر کچھ کھائیں پئیں گے۔''

''تمہارا کہنا ہے کہ تم لوگ گیٹ پھلانگ کر اندر گئے کیونکہ گیٹ پر تالا تھا۔ مگر جب پولیس وہاں آئی تو گیٹ کا تالا کھلا ہوا تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم، میں نے بھی کھلا دیکھا تھا۔''

''اگر تم لوگ وہاں اتفاق سے پہنچے تو افضال کو اغوا کرنے والے وہاں کیسے پہنچ گئے، ان کو کیسے پتا کہ تم

لوگ وہاں آؤ گے؟''
اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جانتا، ہوسکتا ہے وہ پہلے سے پیچھا کر رہے ہوں۔''
لڑکا سہما ہوا تھا مگر ہوشیار بھی تھا۔ اس نے بہت نپے تلے انداز میں جواب دیے تھے۔ میں نے اگلا سوال کیا۔
''جب نقاب پوش اندر آئے تو تم کہاں تھے؟''
''میں بڑے صوفے کے پیچھے ریکس پر رکھی چیزیں دیکھ رہا تھا۔''
''سہیل اور افضال کہاں تھے؟''
''افضال دروازے کے پاس تھا اور اندر آتے ہی دو نقاب پوشوں نے اسے قابو کرلیا۔ باقی دو ہماری طرف آئے تھے۔ سہیل ذرا دور چھوٹے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اسے قابو کرنے والے نقاب پوش نے اسے وہیں پکڑ لیا تھا۔''
انہوں نے تمہیں مارا۔'' میں نے اس کے ہونٹوں پر مندمل ہوتے نشان کو دیکھ کر کہا۔
''ہاں مجھے اور سہیل کو گھونسوں اور لاتوں سے مارا تھا۔'' اس نے اپنی پسلی پر ہاتھ رکھا۔ ''یہاں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔''
''جب نقاب پوش تمہیں مار رہے تھے تو تم نے یا سہیل نے مزاحمت نہیں کی؟''
''کی تھی مگر وہ بہت طاقت ور اور ماہر تھے۔ جنہوں نے افضال کو پکڑا تھا، وہ اسے کھینچ کر باہر لے گئے اور باقی دو نے اس وقت تک ہمیں قابو میں رکھا جب تک انہیں باہر سے سیٹی کی آواز نہیں سنائی دی۔ پھر وہ اتنی تیزی سے نکلے کہ جب تک میں اور سہیل باہر آئے وہ جا چکے تھے۔''
''تم ان کی گاڑی نہیں دیکھ سکے؟''
''نہیں لیکن اس کی عقبی روشنیوں سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی درمیانی گاڑی ہے۔ شاید کوئی لگژری جیپ تھی۔''
''پھر تم نے کیا کیا؟''
''ہم نے انکل جلال کو کال کی۔ وہ پانچ منٹ میں آگئے اور پھر انہوں نے پولیس کو کال کی تھی۔''
''کیا اس وقت بارش ہو رہی تھی؟''
''نہیں، بارش آٹھ بج کر چالیس منٹ پر..... رک گئی تھی۔ انکل جلال کو آٹھ بج کر اڑتیس منٹ پر کال کی تھی۔''
اس نے وقت کا پورا حساب رکھا تھا حالانکہ وہ... بدحواس تھے اور ایسے میں آدمی کو اتنی درستگی کے ساتھ وقت یاد نہیں رہتا ہے۔ میں نے اس سے چند سوالات اور کیے اور پھر سہیل کو تلاش کیا۔ وہ بی بی اے میں تھا۔ درحقیقت تینوں ہی آنرز میں تھے۔ سہیل نے میرے سوالوں کے تقریباً وہی جواب دیے جو حامد نے دیے تھے۔ ان میں بہت معمولی سا فرق تھا۔ وہاں سے نکل کر میں نے شعبان کو کال کی۔ اس نے کہا تھا کہ آج وہ کچھ اور افراد کے بارے میں پتا چلائے گا اور پھر ہم ان سے مل کر معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ قاتلوں کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ ہم ......
اگلے چار پانچ دن بہت مصروف رہے۔ ایک ایک کر کے ہم نے تقریباً تمام ہی افراد کو کھنگال لیا تھا۔ مگر ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہوسکی تھی۔
اس دوران میں خاصی مشکلات پیدا ہوئیں۔ ایک بار تو ہم پکڑے جانے سے بال بال بچے تھے کیونکہ جس وقت ہم اس علاقے میں تھے اسی وقت پولیس اور دوسرے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے وہاں مشترکہ کارروائی کی تھی اور ہم بہ مشکل نکل سکے تھے۔ ایک ہفتے سے زیادہ وقت گزر جانے کے بعد بھی پیش رفت صفر تھی اور جلال نے ہمیں بلایا تھا۔ وہ ہمیں ایک کروڑ روپے دے چکا تھا اس لیے اب پوچھنا اس کا حق تھا۔ پہلے میں پہنچا اور جلال کو رپورٹ دی تھی۔ اس نے سن کر تلخی سے کہا۔ ''نتیجہ کیا نکلا؟''
''کچھ بھی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس قسم کی تلاش مشکل سے کامیاب ہوتی ہے، یہ بات تم بھی سمجھتے ہو۔ ہمارے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے۔ ہم نے زیرزمین دنیا میں اپنے تمام تعلقات استعمال کر کے دیکھ لیے ہیں بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ تعلقات خراب کر لیے ہیں، اب وہ ہمارے لیے کچھ نہیں کریں گے۔''
''تمہیں ان لفنگوں کا محتاج ہونا بھی نہیں چاہیے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔
''حالانکہ ضرورت پڑنے پر لفنگے ہی کام آتے ہیں۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ شعبان آگیا اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔
''مجھے اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟''
''زیادہ نہیں۔'' شعبان نے کہا۔ ''کیونکہ ہم جو کر سکتے تھے وہ تقریباً کر چکے ہیں۔ جو رہ گیا ہے وہ بھی چند دن میں کر کے دیکھ لیں گے، ہوسکتا ہے کوئی نتیجہ نکل آئے۔''
''ورنہ میرے کروڑ روپے گئے۔'' جلال نے طنز کیا۔
''ظاہر ہے۔'' شعبان نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ ''تم نے کروڑ دیے ہیں لیکن ہم نے آگے کے لیے اپنا اتنا ہی نقصان بھی کرلیا ہے۔ ہم چھوٹے پیمانے پر ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ تمہارے کام میں ہمیں کھل

کر سامنے آنا پڑا۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس ایک ہفتے میں ہم نے کتنا نقصان اٹھایا ہے۔''

''شعبان ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم نے تمہاری دوستی کی خاطر یہ کام لیا اور جب لیا تب بھی کہہ دیا تھا کہ کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہے اس لیے مہربانی کر کے تم اپنا رویہ درست کرو۔''

جلال کے جبڑے بھنچ گئے مگر رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر نرمی نمودار ہونے لگی۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میں زیادہ ہی بول گیا۔''

''جلال ہم اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تمہارے ذہن میں کوئی لائن ہے تو بتاؤ ہم اس پر بھی کام کر کے دیکھ سکتے ہیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے ذہن میں کوئی لائن نہیں ہے۔''

''تب ہمیں اپنی کوشش کرنے دو، ابھی ہم نے ہار نہیں مانی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے، میں اس پر کام کروں گا پھر تمہیں اس کا نتیجہ بتاؤں گا۔''

ہم جلال کے گھر سے نکلے تو شعبان نے پوچھا۔ ''آئیڈیا کیا ہے؟''

''ابھی نہیں، میں نے کہا تا کہ مجھے اس پر کام کرنے دو۔''

شعبان کی گاڑی خراب ہوگئی تھی، وہ ٹیکسی کر کے آیا تھا اور واپسی کے لیے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ وہ صنعتی علاقے میں ایک متروک فیکٹری کی عمارت میں رہتا تھا۔ اس فیکٹری کا مالک جو اَب بیرونِ ملک تھا جاتے ہوئے شعبان کو یہاں بٹھا گیا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ فیکٹری کی قیمتی زمین پر کوئی قبضہ نہ کر لے۔ ایک طرح سے شعبان اس قیمتی جگہ کا چوکیدار تھا۔ وہ ٹھاٹ سے وہاں رہتا تھا اور فیکٹری کے مالک سے تنخواہ بھی وصول کرتا تھا۔ اس نے وہاں آفس کی عمارت میں دو کمرے سیٹ کر لیے تھے۔ فیکٹری کا اصل چوکیدار اس کے کام بھی کر دیا کرتا تھا۔ وہ ایک طرح سے شعبان کا ذاتی ملازم بن گیا تھا۔ میں نے اسے فیکٹری کے گیٹ پر چھوڑا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

میری رہائش ایک متوسط آبادی میں تھی۔ جب میں نے یہاں مکان لیا تو زیادہ آبادی نہیں تھی اور زیادہ تر چھوٹے درجے کے لوگ رہتے تھے مگر پھر شہر کے وسط میں ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھی تو غریب غربا زمین اور مکان فروخت کر کے یہاں سے چلے گئے اور اب یہاں

اہلیت

ایک کمپنی کا منیجر ماہر نفسیات بھی تھا۔ کمپنی کے مالک کو ایک سیکریٹری کی ضرورت تھی۔ منیجر نے کہا کہ آنے والی لڑکیوں کا انٹرویو نفسیاتی طریقے سے وہ خود لے گا اور مالک نے حامی بھرلی۔

منیجر نے تین امیدوار لڑکیوں کو ایک ساتھ کمرے میں بلالیا اور پہلی لڑکی سے پوچھا۔ ''دو اور دو۔''

''چار۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

منیجر نے یہی سوال دوسری لڑکی سے کیا۔

''بائیس۔'' دوسری لڑکی نے بتایا۔

منیجر نے تیسری لڑکی سے بھی یہی پوچھا۔

''چار بھی ہو سکتے ہیں اور بائیس بھی۔'' تیسری لڑکی کا جواب تھا۔

منیجر نے تینوں لڑکیوں کو باہر بھیج دیا اور مالک سے بولا۔

''پہلی لڑکی نے وہ جواب دیا جو سبھی دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری یہ سمجھی کہ ہم کوئی چال چل رہے ہیں اور اس نے بائیس کہا، لیکن تیسری لڑکی کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی اس لیے اس نے دونوں جواب دیے اب آپ کسے پسند کریں گے؟''

''سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی کو رکھ لو۔'' مالک نے جواب دیا۔

ذرا اوپری متوسط طبقے کے لوگ رہتے تھے۔

ثمینہ کھانا بنا کر رکھ گئی تھی۔ کھانا کھا کر میں کچھ دیر چہل قدمی کر کے واپس آیا اور سونے سے پہلے غسل کر رہا تھا کہ موبائل کی بیل بجی اور خاصی دیر تک بجتی رہی۔ میں باہر آیا تو دیکھا شعبان کی کال تھی۔ میں نے اسے جوابی کال کی تو بیل جانے لگی مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ میں نے دوبارہ نمبر ملایا۔ اس بار اس نے ریسیو کی اور کاٹ دی۔ میں نے تیسری بار بیل دی تو فون بند تھا۔ میں فکر مند ہو گیا۔ میرے پاس فیکٹری کا نمبر تھا، میں نے وہاں کال کی اس پر بھی کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ میری فکر بڑھ گئی۔ میں نے کچھ سوچا اور اپنا پستول لے کر گھر سے نکل آیا۔

بیس منٹ بعد میں فیکٹری پہنچ گیا۔ رات بارہ بجے وہاں سناٹا اور ویرانی تھی۔ آس پاس اکا دکا فیکٹریوں میں نائٹ شفٹ میں کام ہو رہا تھا مگر اس سے سناٹے پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا۔ میں نے گیٹ چیک کیا۔ چوکیدار

وہیں سوتا تھا مگر گیٹ کھلا ہوا تھا اور چوکیدار اپنی چارپائی پر نہیں تھا۔ میں ذرا آگے گیا تو زمین پر ایک گٹھڑی سی نظر آئی۔ میں نے اسے سیدھا کیا تو وہ چوکیدار تھا۔ کسی نے اس کی پشت میں گولی ماردی تھی۔ وہ مر چکا تھا۔ میں نے اپنا پستول نکال لیا اور دبے قدموں آفس بلڈنگ کی طرف بڑھا۔ فیکٹری کی دیوار کے ساتھ شیڈ تھا جس کے نیچے گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔ عمارت کا داخلی دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور اندر سے ٹی وی چلنے کی آواز آرہی تھی۔ شعبان کی عادت تھی کہ وہ بہت بلند آواز کر کے ٹی وی دیکھتا تھا۔ اس وقت بھی آواز خاصی بلند تھی۔ میں اندر آیا تو شعبان لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اس کی پشت میری طرف تھی۔

میں نے آس پاس دیکھا اور دبے قدموں آگے بڑھا۔ جب نزدیک آیا تو اسے ساکت پا کر میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا تھا۔ شعبان کے ماتھے پر سوراخ تھا اور اس سے خون نکل کر اس کے چہرے پر پھیل گیا تھا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے اس کا چہرہ چھوا۔ خون تازہ تھا۔ یعنی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی جب قاتل نے اسے شوٹ کیا۔ میں نے دونوں کمرے چیک کیے مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ باقی عمارت خالی اور مقفل رہتی تھی۔ قاتل شاید میری آمد سے کچھ پہلے نکلا تھا۔ شعبان کا موبائل پاس پڑا تھا اور یقیناً قاتل نے میری کال کاٹ کر اسے آف کیا تھا۔ میں نے جلال کا نمبر ملایا۔ اس نے قدرے دیر سے کال ریسیو کی اور بولا۔ ''ہاں شبیر، کیا ہوا؟''

''شعبان کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شاید یہ ہماری گزشتہ ایک ہفتے کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔''

جلال کچھ دیر کے لیے چپ رہ گیا۔ ''تمہارا مطلب ہے کسی ایسے نے کام دکھایا ہے جسے خطرہ ہو کہ تم اس تک نہ پہنچ جاؤ۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یا ہو سکتا ہے کہ ہمارا نشانہ بننے والے کسی شخص نے انتقام لیا ہو۔''

''یہ کسی درمیانی آدمی کا کام نہیں لگتا ہے۔'' جلال بولا۔

''اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں کسی نے انتقام لیا ہے، کسی کو بھڑکانا کون سا مسئلہ ہے۔''

جلال نے گہری سانس لی۔ ''سب جانتے ہیں کہ شعبان کہاں رہتا ہے ان کا کام آسان ہو گیا۔ سنو شبیر، میں نہیں چاہتا کہ تم بھی کسی قاتل کا نشانہ بن جاؤ اس لیے تم فی الحال منظر سے غائب ہو جاؤ۔''

جلال کے کہنے سے پہلے میں نے سوچ لیا تھا مگر اس سے یہی کہا۔ ''میں سوچوں گا۔''

''سوچو مت فوری عمل کرو، میرا ایک ہٹ ہے وہاں چلے جاؤ، اس کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔''

''وہاں کوئی ہوتا ہے؟''

''نہیں لیکن تمہیں اس کی چابی داخلی دروازے کے اوپر بنے کارنس پر مل جائے گی۔''

''میں آج تو نہیں کل جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا اور موبائل بند کر دیا۔ میں نے اپنے ایک خفیہ ٹھکانے کا رخ کیا۔ ہم جیسے لوگوں کو اس قسم کے ٹھکانے بنا کر رکھنے پڑتے ہیں۔ میرا یہ ٹھکانا اس حد تک خفیہ تھا کہ اس کے بارے میں شعبان کو بھی علم نہیں تھا۔ یہ چھوٹا سا فلیٹ ایک پوش علاقے میں تھا جہاں پڑوسی کو پڑوسی کے بارے میں پتا نہیں ہوتا اور نہ ہی تجسس ہوتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ شعبان کے قتل نے میرا ذہن منتشر کر دیا تھا اور میں فی الحال کہیں سکون سے بیٹھ کر سوچنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے یہ جگہ بہت موزوں تھی۔

میں فلیٹ میں آیا اور لاؤنج میں صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ صورتِ حال یک دم ہی سنگین ہو گئی تھی۔ اگر شعبان کا قتل ہماری مہم جوئی کا نتیجہ تھا تو لازمی بات تھی کہ اس کے بعد میری باری ہے۔ اب قاتل میری تلاش میں ہوں گے۔ جو چیز شروع میں موہوم سا خدشہ تھی، وہ اچانک اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ سامنے آ گئی تھی۔ شعبان کی موت بھی افضال کی طرح صاف ستھری تھی۔ اس کے گھر میں کہیں افراتفری اور ہنگامے کے آثار نہیں تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ شعبان ٹی وی دیکھ رہا تھا جب قاتل نے اچانک اس کے سامنے آ کر اس کے سر میں سوراخ کر دیا۔ گویا وہ اسے قتل کرنے ہی آیا تھا۔ زخم کا نشانہ چھوٹا تھا اور گولی دوسری طرف سے نہیں نکلی تھی۔ واردات میں چھوٹا ہتھیار استعمال ہوا تھا۔

میرے حواس ذرا بحال ہوئے تو میں نے فریج سے کولڈ ڈرنک کا ٹن نکال کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور پھر ٹہلتا اور سوچتا رہا۔ اس رات مجھے بہت دیر سے نیند آئی تھی۔ اگلے روز دیر سے اٹھا اور تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ مجھے کئی کام نمٹانے تھے۔ ان سے فارغ ہو کر میں نے جلال کو کال کی۔ وہ میرا ہی منتظر تھا کیونکہ کل رات سے میں نے موبائل بند کیا ہوا تھا۔ اس نے فوراً کہا۔ ''تم کہاں تھے، میں بہت پریشان ہوں۔''

''میں ایک خفیہ جگہ تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''پولیس نے کارروائی کی؟''

''ہاں میں نے اطلاع کر دی تھی۔ پولیس نے لاشیں اٹھوا کر پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی تھیں۔ رپورٹ بھی آ گئی ہے شعبان اور چوکیدار کو ایک ہی ہتھیار سے قتل کیا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق یہ واردات کم سے کم دو افراد نے کی ہے۔''

''وہ شعبان کو قتل کرنے آئے تھے کیونکہ اسے ملنے کی مہلت بھی نہیں ملی، وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے نشانہ بنا۔''

''اب وہ تمہارے پیچھے آئیں گے۔'' جلال نے اضطراب سے کہا۔ ''تم جلد از جلد ساحلی ہٹ چلے جاؤ۔''

''میں کچھ کام نمٹا لوں، اس کے بعد جاؤں گا۔''

''کام زندگی سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔''

''کچھ کام زندگی سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ شام تک میں مصروف رہا۔ جو کام کرنے تھے وہ کر لیے اور پھر میں نے شام کے وقت جلال کے بتائے ہٹ کا رخ کیا۔ آسمان پر گہرے بادل تھے اور لگ رہا تھا کہ آج پھر بارش ہوگی۔ میں ہٹ تک پہنچا تو تاریکی چھا چکی تھی۔ چابی مجھے دروازے کے اوپری کارنس پر مل گئی۔ میں لاک کھول کر اندر آیا۔ روشنی کر کے میں نے ہٹ کا جائزہ لیا۔ یہ ایک بیڈ روم اور لاؤنج پر مشتمل تھا۔ فرنیچر کم مگر اعلیٰ درجے کا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جلال نے اسے اپنی کچھ خفیہ سرگرمیوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ میں نے کچھ دیر آرام کیا۔ آٹھ بجے بارش شروع ہو گئی۔ دس بجے اس کی شدت میں کمی آئی مگر بارش تھمی نہیں تھی۔ بارہ بجے سے ذرا پہلے ہٹ کا داخلی دروازہ کھلا۔ آنے والے نے چابی استعمال کی تھی۔ دروازے میں اندر کی سمت سے بند کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ لاؤنج میں تاریکی تھی اس لیے آنے والا بس ایک ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اندر آ کر خاموشی سے دروازہ بند کیا اور بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ بیڈ روم کا دروازہ بہت خاموشی سے کھولا اور پھر ہاتھ آگے کیا جس میں پستول تھا۔ بیڈ کی طرف اس نے لگاتار تین فائر کیے اور پھر چونکا تھا۔ اس نے ہاتھ آگے کر کے بیڈ روم کی روشنی جلائی۔ میں نے عقب سے کہا۔

''جلال، تم میرے نشانے پر ہو پستول پھینک دو، کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ مجھے افسوس ہوگا۔ اس کے باوجود کہ تم شعبان کے قاتل ہو۔''

وہ ساکت رہ گیا پھر اس نے پستول پھینک دیا اور دونوں ہاتھ اوپر کیے۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔ ''تو تم جان گئے۔ تم نے بستر پر پتلا اچھا بنایا ہے۔''

''ہاں میں جان گیا۔ تم نے کئی غلطیاں کیں، اول میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ شعبان گھر میں مارا گیا ہے مگر تم نے کہہ دیا۔ تم اس وقت راستے میں تھے اور اے سی کار کے باوجود ٹریفک کا ہلکا شور مجھے سنائی دے رہا تھا۔ دوسرے تم نے چوکیدار کا ذکر کیا جبکہ سب اسے شعبان کا ملازم سمجھتے تھے اور بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ وہ فیکٹری کا چوکیدار تھا۔ تیسرے شعبان کو افضال کے انداز میں مارا گیا۔''

''ہاں۔'' جلال میری طرف مڑا۔ ''اس نے افضال کو قتل کیا کیونکہ اسے مجھ سے پرخاش تھی۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''افسوس کہ تم ہمیشہ کی طرح جلد باز ثابت ہوئے۔ تم نے شعبان کو اپنے گمان کی وجہ سے قتل کیا حالانکہ اس نے یہ کام نہیں کیا۔''

''تب کس نے کیا، اس نے خود تسلیم کیا کہ اسے مجھ سے شکایت تھی۔''

''شکایت دوستوں میں ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے لگیں۔'' میں نے کہا اور پردے کے پیچھے سے نکل کر لاؤنج میں روشنی کی۔ ''مگر تم نے دوستی کا قطعی لحاظ نہیں کیا۔ پہلے بھی جب تمہارا مطلب پورا ہو گیا تو ہم سے تعلق ختم کر دیا اور اب بھی تم نے ایک بے گناہ شخص کو اپنے شبہے کی بھینٹ چڑھا دیا۔''

''اگر شعبان قاتل نہیں ہے تو کون ہے؟''

''افضال کا قاتل کوئی نہیں ہے، شاید وہ خود اپنا قاتل ہے۔''

جلال نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا دماغ درست ہے، کیا افضال نے خودکشی کی تھی؟''

''نہیں لیکن اس کا محرک وہ خود تھا۔'' میں نے کہا اور پستول سے اشارہ کیا۔ ''بیٹھ جاؤ، میں تمہیں بتاتا ہوں۔''

☆☆☆

سہیل اور حامد ساحل پر منتظر تھے اور پریشان تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے چہرے سفید پڑ گئے۔ ساحل پر دور تک کوئی نہیں تھا۔ میں نے ان کے پاس آ کر کہا۔ ''میں جاننا چاہوں گا کہ یہ سب کیسے ہوا؟''

سہیل نے حامد کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''یہ حادثہ تھا؟''

''میں شروع سے جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔ ''ایک ایک بات، اسی میں تم دونوں کی بچت ہے۔''

''ہم سچ کہیں گے۔'' حامد نے کہا۔

افضال، سہیل اور حامد بارش انجوائے کرنے باہر نکلے

تھے۔ وہ گھر والوں سے چھپ کر بیئر کی بوتلیں لے کر آئے تھے حالانکہ اس میں چھپنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ اُمّ الخبائث تینوں گھروں میں پانی کی طرح موجود رہتی تھی۔ وہ پی رہے تھے اور سڑکوں پر پھر رہے تھے۔ اسی دوران میں وہ جلال کے پرانے گھر کے سامنے جا نکلے تو افضال نے کہا۔ ''آؤ اندر چلتے ہیں۔''

وہ گیٹ پھلانگ کر اندر گئے۔ افضال نے خفیہ جگہ چھپائی چابی نکالی اور وہ اندر آ گئے۔ یہاں داخلی دروازے کے ساتھ گھر کی چابیوں کا گچھا تھا جس میں گیٹ کے تالے کی چابی بھی تھی۔ یہاں انہوں نے فریج سے امپورٹڈ بیئر کے ٹن نکالے اور ان سے شغل کرنے لگے۔ ساتھ میں وہ ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ سہیل نے افضال سے کہا۔ ''یار تیرا باپ اتنی بڑی توپ ہے، پاپا بتاتے ہیں کہ وہ کبھی مافیا مین تھا۔''

''مگر اس کے پاس ایک بھی گن نہیں ہے۔'' حامد ہنسا۔ ''اے مافیا مین ود آؤٹ گن۔''

''میرے پاپا کے پاس بہت سی گنز ہیں۔'' افضال نے تردید کی۔

''کہاں ہیں، ہمیں تو ایک بھی نظر نہیں آئی۔''

''یہاں ہیں، میں تمہیں دکھاؤں گا مگر تم وعدہ کرو کہ کسی سے کہو گے نہیں اور نہ ہی انہیں چھیڑو گے؟''

سہیل اور حامد نے شرارت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور اقرار کر لیا۔ افضال نے ماسٹر بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ وہاں ریک پر ایک ڈبا رکھا تھا، اس ڈبے میں کئی پستول تھے۔ سہیل اور حامد نے جھپٹ کر دو پستول اٹھائے اور افضال کے منع کرنے کے باوجود وہ لان میں نکل آئے۔ بارش میں وہ ایک دوسرے سے جھوٹ موٹ کی لڑائی لڑنے لگے۔ منہ سے فائرنگ کی آوازیں نکال رہے تھے۔ افضال پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ جلال کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اس کی شامت آئے گی۔ اس لیے وہ ان کے پیچھے بھاگ رہا تھا انہیں روک رہا تھا اور ان سے پستول واپس دینے کو کہہ رہا تھا۔ بارش زور و شور سے جاری تھی۔ حامد زیادہ بے قابو ہو رہا تھا وہ پستول سیدھا کیے ہوئے لان میں گھوم رہا تھا اور خیالی فائرنگ کر رہا تھا۔ اچانک افضال نے عقب سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور جیسے ہی پستول کی نال اس کے سر کی سیدھ آئی تو نہ جانے کیسے گولی چل گئی۔ افضال ہوا میں اچھلا اور نیچے گر کر ساکت ہو گیا۔ وہ دونوں اس کی طرف جھپٹے اور چیخ چیخ کر اسے آوازیں دیتے رہے مگر وہ نیچے گرنے سے پہلے ہی مر چکا تھا۔

اس کے بعد سہیل اور حامد نے سوچا کہ اگر انہوں نے سچ بتایا تو وہ پھنسیں گے اور پولیس سے زیادہ انہیں جلال کا خوف تھا۔ وہ اس کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس جرم کو چھپانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے پستول صاف کر کے اسی جگہ رکھے جہاں سے نکالے تھے۔ تمام تالے بند کیے اور پھر افضال کی لاش لے جا کر بارش کے پانی کی نکاسی والے نالے میں ڈال دی۔ ان کا خیال تھا کہ لاش بہہ کر سمندر میں چلی جائے گی۔ دوسری طرف انہوں نے ایک کہانی تیار کی اور پھر جلال کو کال کی۔ کیونکہ کہانی مصنوعی تھی اس لیے وہ کچھ زیادہ ہی مکمل تھی اور مجھے اسی سے شک ہوا۔ میں نے جب سہیل اور حامد سے بات کی تو مجھے لگا کہ وہ کچھ چھپا رہے ہیں اس لیے میں نے ایک پلان بنایا۔ میں نے سہیل کو کال کی اور اسے بتایا کہ ایک پڑوسی جو اپنے گھر کی چھت پر تھا اس نے سب دیکھ لیا ہے اور میں نے اس سے معلوم کر لیا ہے۔ لیکن پولیس یا جلال تک بات لے جانے سے پہلے میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ سہیل، حامد کی نسبت کم چالاک اور کم ہمت تھا، وہ میرے دھوکے میں آ گیا اور مان گیا۔ میں نے یہ کال ریکارڈ کر لی اور پھر حامد سے بات کی اور انہیں یہاں ساحل پر بلا لیا۔ انہوں نے ساری کہانی کھول کر رکھ دی، اور اس بار اس میں کوئی جھوٹ نہیں تھا۔

☆☆☆

جلال ساکت بیٹھا ہوا میری بات سن رہا تھا۔ جب میں چپ ہوا تو اس نے کہا۔ ''یہ سچ ہے؟''

''تم معلوم کر لو، تم معلوم کر سکتے ہو۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''ان لڑکوں کو اٹھوا لو اور حقیقت اگلوا لو۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' جلال نے قدرے شرمندہ انداز میں کہا۔

میں کھڑا ہو گیا۔ ''تمہاری دوستی کے ناتے میں نے آخری بار کچھ کیا ہے، امید ہے اب تم مجھ سے کبھی رابطہ نہیں کرو گے۔''

''تمہارا انعام؟'' اس نے عقب سے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تم دینا ہی چاہتے ہو تو شعبان کے لیے کسی ضرورت مند کو دے دو۔'' میں نے جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ بارش اب رک گئی تھی اور بادل چھٹنے سے کہیں کہیں آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

